قسط نمبر ـ ۵

ہندو تہذیب اور مسلمان

از ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ادب میں اس روحانی ہم آہنگی اور یک جہتی کے قوی رجحانات ملتے ہیں اور ہندو مسلمان دونوں اس اتحاد اور آمیزش کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں میرزا مظہر جان جاناں[۵] کے مکتوب چہاردہم کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے، اس مکتوب میں مسلمانوں کی مذہبی رواداری، وسیع المشربی اور بے تعصبی کا جس انداز سے ذکر کیا گیا ہے، یہ وہی اندازِ فکر تھا جس کا علمبردار اور روحِ رواں دارا شکوہ تھا۔

میرزا مظہر سے سوال کیا گیا کہ "کیا ہندوستان کے کافر عرب کے مشرکین کے مانند اپنا بے اصل دین رکھتے ہیں یا اس دین کی کوئی اصل تھی اور اب منسوخ ہو گیا ہے؟ دیگر ان لوگوں کے بزرگوں کے حق میں کیسا اعتقاد رکھنا چاہیے؟

میرزا نے جواب میں کہا:

" واضح رہے کہ اہلِ ہند کی قدیم کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی

---

[۵] برائے حالات ملاحظہ ہو: نقد تریا ص ۵۵-۵۶، مرزا لطف علی، گلشن ہند ص ۲۱۶-۲۱۰، تذکرہ ہندی ص ۲۰۳۔ نکات الشعرا۔ ص ۵، تذکرہ میر حسن دہلوی ص ۱۴۷، مجموعہ نغز۔ جلد دوم ص ۱۹۸، ۱۹۹۔ غلام علی۔ مقامات مظہری، مولوی نعیم اللہ بہرائچی۔ معمولات مظہری، عبدالرزاق قریشی: میرزا مظہر جان جاناں اور ان کا کلام، نیز مکاتیب مظہر (اس میں مرزا صاحب کے ۱۳۳ غیر مطبوعہ خطوط ہیں) طبع بمبئی ۱۹۶۶ء)

پیدائش کے شروع میں رحمتِ الٰہیہ نے ان لوگوں کی معاد و معاش کی اصلاح کے لیے ایک کتاب مسمّٰی بہ وید جس میں چار دفتر ہیں اور امر و نہی کے احکام اور ماضی و مستقبل کے واقعات ہیں، ایک فرشتے برہما کے وسیلے سے، جو ایجادِ عالم کا واسطہ ہے، نازل کی۔ اس زمانے کے مجتہدوں نے اس کتاب سے چھ مذہب استخراج کیے اور اصول و عقائد کی بنا ان پر قائم کی۔ اس کو فنِ دھرم شاستر کہتے ہیں، یعنی فنِ ایمانیت، جس سے علمِ کلام مُراد ہے۔ اسی طرح (مجتہدین) نے نوع کے چار فرقے بنائے اور ہر فرقے کے لیے الگ ملک مقرر کیا اور فروعِ اعمال کی بنا اس پر قائم کی۔ اس فن کا نام کرم شاستر رکھا، یعنی فنِ عملیات، جسے علمِ فقہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نسخ احکام کے منکر ہیں لیکن چونکہ وقت اور طبیعتوں کے مطابق تغیرِ اعمال بھی ضروری ہے۔ اس لیے دنیا کی ساری مدّت کو چار حصّوں پر تقسیم کر کے ایک حصّے کا نام جُگ رکھا ہے۔ ہر جُگ کی علامتیں انھیں چار دفتروں سے اخذکی ہیں، جو کچھ متاخرین نے ان میں اپنے تصرفات کیے ہیں، وہ قابلِ اعتبار نہیں۔

"ان کے تمام فرقے توحیدِ الٰہی کے بارے میں متفق ہیں۔ عالم کو مخلوق جانتے ہیں۔ فنائے عالم، نیک و بد کی جزا و سزا، حشر و نشر، جسمانی اور کتاب کے قائل ہیں۔ علومِ عقلی و نقلی، ریاضت، مجاہدات، تحقیقِ معارف اور مکاشفات میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان کی بُت پرستی شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے دوسرے اسباب ہیں۔"

"اُن کے علماء نے انسانی عمر کے چار حصّے کیے ہیں۔ پہلا تحصیلِ علم کے لیے، دوسرا معاش اور اولاد کی غرض سے، تیسرا درستیٔ اعمال اور تہذیبِ نفس کے لیے، چوتھا، تجرد و تنہائی کی مشق کے لیے، جو کمالِ انسانی کا انتہائی درجہ ہے اور نجاتِ کبریٰ جسے مہامکت کہتے ہیں اس پر موقوف ہے۔

"اُن کے دین کے قواعد و ضوابط میں نہایت اعلیٰ درجے کا نظم و نسق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین باقاعدہ مرتب ہوا تھا لیکن پھر منسوخ ہوگیا۔ ہماری شریعت میں یہود و نصاریٰ کے دین کے نسخ کے سوا اور کسی دین کے نسخ کا ذکر نہیں۔ حالانکہ ان کے علاوہ بہت سے دین منسوخ ہوئے اور کئی دین صفحۂ ہستی سے نابود ہوگئے۔ نیز واضح رہے کہ اُن آیات کے مطابق

"وان من امة الا خلا فیھا نذیر" (ہر ایک گروہ کا نبی گزرا ہے) "ولکل امۃ رسول" (اور ہر ایک امّت کا رسول ہوتا ہے) سرزمین ہندوستان میں بھی رسول بھیجے گئے[ا] جن کے احوال ان کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ ان کے اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صاحبِ کمال تھے۔ رحمت عامہ الٰہی نے مصلحت انسانی کو سرزمین میں فروگزاشت نہیں کیا۔ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہر قوم میں پیغمبر مبعوث ہوتا رہا ہے۔ جس کی اطاعت اور فرمانبرداری اس قوم کے لیے لازم تھی اور دوسری قوم کے نبی سے اُن کو کوئی غرض نہ تھی۔ لیکن جب سے ہمارے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں تب سے بلکہ جب تک دُنیا باقی ہے کوئی اور نبی نہ ہوگا۔ شرق سے لے کر غرب تک تمام دنیا کو آنحضرت ہی کی تابعداری اور فرمانبرداری لازم ہے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مقابل تمام باقی دین منسوخ ہیں۔ آغازِ بعثت سے جس کو آج ایک ہزار ایک سو اسّی (۱۱۸۰ھ) سال ہوتے ہیں جو اس دین کی طرف مائل نہیں ہوا وہ کافر ہے، نہ کہ وہ لوگ جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔

[ا] شہزادہ اکبر ملی دارا شکوہ نے مندرجہ بالا دلیل ان الفاظ میں پیش کی ہے۔: "بعد از تحقیق این مراتب معلوم شد کہ درمیان این قوم قدیم، پیش از جمیع کتب سماوی، چہار کتاب آسمانی کہ رگ بید، وجج بید، سام بید و اتھربید باشد برانبیای آن وقت کہ بزرگ ترین آنہا برہما کہ آدم صفی اللہ است با جمیع احکام نازل شدہ و این معنی از ہمین کتابہا ظاہر است۔"

وازقرآن مجید نیز معلوم شود کہ ہیچ قومی نیست کہ بی کتاب و پیغمبر باشد چنانچہ می فرماید "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" (ہم نے کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجا مگر پہلے اس کی طرف نبی کو مبعوث کیا) و در جائے دیگر می فرماید: لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان (ہم نے اپنے رسولوں کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی) و در آیت دیگر: وان من امة الا خلا فیھا نذیر (اور کوئی امّت ایسی نہیں جس میں ڈرانے والا نہ پہنچا ہو) پس از این مشخص شد کہ اللہ تعالیٰ ہیچ قومی را عذاب نکند تا آنکہ رسول در آن قوم مبعوث نشدہ باشد و ہیچ امّت نیست کہ در آں

(باقی ص۲۰ پر)

نیز حسب تصریح آیت کریمہ منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک ۔ (ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے روبرو بیان کیا اور بعض کا نہیں) جب ہماری شریعت بہت سے انبیاء کے حال میں ساکت ہے تو ہم کو بھی ہندوستان کے انبیاء کے حق میں خاموشی بہتر ہے ۔ نہ ہم ان کے معتقدین کے کفر وانحاد پرایمان واجب ہے اور نہ ان کی نجات کا اعتقاد لازم ہے لیکن اگر تعصب نہ ہو تو نیک گمان ضرور کرنا چاہیے اہلِ فارس بلکہ تمام امم ماضیہ کے حق میں جو خاتم النبیین کے ظہور کے پہلے گزر چکے ہیں اور جن کی نسبت شرع میں کچھ بیان کیا گیا (اور جن کے احکام وآثار) براہِ اعتدال کے مناسب اور موافق اسی قسم کا عقیدہ رکھنا بہتر ہے کسی کو بغیر قطعی دلیل کے کافر نہ کہہ دینا چاہیے ۔ ان کی (اہلِ ہند) کی بُت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ بعض فرشتے "جو حکم الٰہی سے عالم کون وفساد میں دخل رکھتے ہیں یا بعض کاملین کی روحیں جنہیں جسم سے الگ ہو کر اس دنیا میں کچھ تصرف حاصل ہے یا بعض زندہ آدمی جو ان کے زعم میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرح تا ابد زندہ رہیں گے ، یہ لوگ اُن کی مورتیں یا تصویریں بنا کر اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس توجہ کے سبب ایک مدت کے بعد صاحب صورت سے مناسبت پیدا کر لیتے ہیں اور اسی نسبت سے حوائج معاش ومعاد کو پورا کرتے ہیں ۔ ان کا یہ عمل ذکر رابطہ سے مشابہت رکھتا ہے جو اسلامی صوفیاء میں عام ہے اور جس میں صورتِ شیخ کا تصور کیا جاتا ہے اور فیض حاصل کئے جاتے ہیں ۔ ہاں صرف اس قدر فرق ہے کہ صوفیا شیخ کی ظاہری تصویر نہیں بناتے لیکن یہ بات کفارِ عرب کے عقیدے سے مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ وہ بتوں کو متصرف اور مؤثر بالذات مانتے تھے ۔ اور اللہ تعالیٰ کو آسمان کا خدا مگر یہ شرک ہے ۔ ان (اہلِ ہند) کا سجدہ ، سجدۂ عبودیت نہیں بلکہ سجدۂ تحیت ہے جو کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹ پیغمبرے گذشتہ باشد ۔ در تحقیق کہ فرستادہ است ما رسولان را با معجزات ظاہر و نازل شدہ است بہ ایشان کتاب و میزان وخلاصہ ایں چہار کتاب را کہ جمیع اسرار سلوک واشغال توحید صرف در آں مندرج است وآنرا اپنکھت می نامند وابنای آں زماں آنرا جدا ساختہ برآں تفسیر با تخریج وبسط تمام نوشتہ اند وہمیشہ آنرا بہترین عبادات دانستہ می خوانند ۔

اوپانکھاد ص چہار و پنج ۔

اُن کے طریقے میں ماں، باپ، پیر اور اُستاد کے سلام کے لیے بھی عام ہے۔ اور جسے ڈنڈوت کہتے ہیں۔
تناسخ کا اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا ہے[1]　　والسلام

میرزا مظہر جانِ جاناں کے اس خط کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالانکہ دارا شکوہ کا وجود صفحۂ ہستی سے بہت پہلے اُٹھ چکا تھا مگر اس کی روح اب بھی کارفرما تھی اور میرزا مظہر کے خیالات دارا کے خیالات کی بازگشت تھے۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ میرزا مظہر نے دارا شکوہ کی سِرِ اکبر کا مطالعہ کیا ہوگا کیوں کہ ان کا وہی اندازِ بیان اور طرزِ فکر وہی ہے جس کا دارا نے سِرِ اکبر کے دیباچہ میں اظہار کیا ہے۔ اگر میرزا مظہر کے اس خط کو دارا سے منسوب کر دیا جائے تو کسی کو اس بات کا گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ خط کسی اور صاحبِ فکر کا بھی ہو سکتا ہے۔ مرزا مظہر نے کچھ بنیادی سوالوں کی توضیح اور تاویل بڑی دوربینی اور محققانہ انداز میں کی ہے۔ انھوں نے تصورِ شیخ کے فلسفہ اور "بت پرستی" میں مشابہت پائی ہے اور بتوں کے سامنے سجدہ کو "سجدۂ عبودیت" کے بجائے "سجدۂ تحیت" ثابت کیا ہے کیونکہ سجدے کا ہندوؤں میں عام رواج تھا۔ وہ ماں، باپ، پیر اور استاد کو احتراماً سجدہ کرتے تھے جو ان کی اصطلاح میں ڈنڈوت کہلاتا تھا۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ میرزا مظہر کے خیال میں تناسخ پر اعتقاد رکھنے والوں کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

میرزا مظہر کے علاوہ دوسرے بہت سے صاحبِ علم و فہم مسلمانوں کی نظر میں بت پرستی قابلِ نفریں و تحقیر فعل نہیں تھا لہٰذا اس دور کے ادب میں ہم بت پرستی کی مذمت نہیں پاتے۔ کیونکہ وہ لوگ ظاہری اعمال کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے بلکہ اُن افعال میں جن پوشیدہ جذبات کی ترجمانی ہوتی تھی، اُن کا بڑا احترام کرتے تھے۔

---

[1] یہ ترجمہ اردو کوثر ص ۶۳۸-۶۴۲ سے ماخوذ ہے۔ اصل فارسی ملاحظہ ہو۔ کلمات طیبات (مطبع العلوم مراد آباد) ص ۲۸-۲۹

جوشش[1] نے "بُت پرستی" کو "حق پرستی" کا درجہ دیا ہے۔

چشمِ وحدت سے گر کوئی دیکھے
بُت پرستی بھی حق پرستی ہے[2]

واقف[3] لاہوری نے ہر قوم کے نیک افراد کے ساتھ بلا کسی تعصب کے نشست و برخاست اور اُن کی صحبت سے روحانی فیوض حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔

نیک صحبت ہر قوم چشیدن دارد
ذوق پیدا کن و باگبر و مسلماں بنشیں[4]

کفر اور اسلام سے متعلق چند شعر اور ملاحظہ ہوں:

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو
یہ دونوں ایک ہیں آپس میں، ان کے بیچ رشتہ ہے[5]

دیکھو کعبہ پہ بھی کیا موقوف ہے شیخ و برہمن — کون سی جا ہے جہاں جلوہ نہیں اللہ کا[6]

کفر و اسلام کی نہ کر تکرار — دونوں یکساں ہیں چشمِ بینا میں[7]

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے — مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو[8]

مذہبی اختلافات کے بارے میں مرزا صدر الدین اصفہانی نے لالہ کمتا پرشاد سے کہا:

"جناب می دانید کہ مذہبِ من صوفیانہ است، نمی دانم کہ ہندو چہ قبح دارد و مسلمان چہ حُسن،

---

[1] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ دیوانِ جوشش (مرتبہ قاضی عبدالودود) مقدمہ ص ۷-۳۵

[2] دیوانِ جوشش ص ۱۵۷۔ [3] برائے حالات ملاحظہ ہو۔ عقدِ ثریا/ص ۶۰، تذکرۂ ہندی ص ۱۶۵-۱۶۶۔ [4] دیوانِ واقف لاہوری (قلمی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، کتب خانہ) ص ۲۶۸، الف

[5] تذکرہ گلشنِ ہند ص ۵۵۔ [6] ایضاً ص ۲۳۷

[7] دیوانِ جوشش ص ۱۱۷

[8] دیوانِ غالب (مرتبہ مولوی امتیاز علیخاں عرشی) ص ۱۹۹

ہر دو بندۂ خدا و نورِ چشم عارف اند۔ جہان گذاری مثل حبابِ نقش بر آب است۔ آخر ہمہ را رجوع بمبدٔ خواہد بود۔ نزاع لفظی کہ زید بہ از عمرو است یا عمرو بہ زید میانہ مراں در آں نوعی ضرور سرزند بگردنِ عمرو۔"[1]

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے صوفیائے کرام اور مسلمان، ہندوؤں کے دیوتاؤں کا بڑا احترام کرتے تھے اور بالخصوص رام چندر جی اور کرشن بھگوان کو نبیوں کا درجہ دیتے تھے[2] میرزا عبد القادر بیدل[3] نے اپنی ایک نظم میں رام چندر جی کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے[4]۔ نظیر اکبرآبادی نے اپنی کئی نظموں میں کرشن بھگوان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ مثلاً کنھیا جی کی راس[5]، بلدیو جی کا میلا[6]، جنم کنھیا جی[7]، بالپن بانسری بجیا[8]، بانسری[9]، لہو و لعب کنھیا[10]، کنھیا جی کی شادی[11]، وسم کتھا[12] ہر کی تعریف[13]، بیان تنبیکشن وزسی اوتار[14]، درگا جی کے درشن[15]، بھیروں کی تعریف[16] اور مہادیو کا بیاہ وغیرہ[17]۔ نظیر اکبرآبادی نے سکھوں کے پیشوا گرو نانک شاہ کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، ان کی بزرگی، زہد و تقویٰ اور ایک کامل فقیر کی حیثیت سے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔

---

[1] دریائے لطافت (اردو ترجمہ) ص ۷۲ [2] مقاماتِ مظہری ص ۲۳، [3] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ سفینۂ ہندی ص ۲۸-۲۹، سفینۂ خوش گو۔ ص ۱۰۳-۱۴۷ [4] کلیاتِ بیدل ص اٹھارہویں صدی کے بنگالی مسلم مصنفوں نے ہندو دیوی دیوتاؤں، ہندو فنِ موسیقی کی تعریف میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وشنو ازم ہندوؤں کے مذہبی خیالات نے وہاں کے مسلمانوں کو بڑی حد تک متاثر کیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ تاریخ بنگالی زبان اور ادب (انگریزی) ص ۷۹۸-۸۰۴۔ نیز Aliverdi and his times: p. 259. [5] کلیاتِ نظیر اکبرآبادی۔ ص ۴۴۶-۴۴۸ [6] ایضاً ص ۴۵۱-۴۵۸ [7] ایضاً ص ۷۳۷-۷۴۳ [8] ایضاً ص ۷۴۳-۷۴۹۔ [9] ایضاً ص ۷۵۰-۷۵۱ [10] ایضاً ص ۷۵۲-۷۵۳ [11] ایضاً ص ۷۵۴-۷۵۷ [12] ایضاً ص ۷۵۷-۷۶۵ [13] ایضاً ص ۷۶۵-۷۶۹ [14] ایضاً ص ۷۶۹-۷۷۴ [15] ایضاً ص ۷۷۴-۷۷۵۔ [16] ایضاً ص ۷۷۵-۷۷۸۔ [17] ایضاً ۷۷۸-۷۹۲۔

(حاشیہ: پنشش ۱؎ — نظم عنوان: چند شعر ملاحظہ)

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود، مراد، امید سبھی برلاتے ہیں دل خواہ گرو
نت لطف وکرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، اَرداس کرو، اور ہر دم بولو "واہ گرو"۔ ۱؎

ڈاکٹر اقبال نے بھی گرو نانک پر ایک نظم لکھی ہے جس کا آخری شعر یہ ہے۔

پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے ۲؎

کسی مسلمان نے شاہ عبدالعزیز دہلوی ۳؎ سے ہندوؤں کے خالق کا نام پوچھا تو انھوں نے جواب میں کہا "الکھ اور پرمیشور اور کوئی دوسرا نام اس کی خصوصیت کی مناسبت سے" بعد ازیں اس شخص نے دریافت کیا۔ کیا ہم مندرجہ بالا ناموں سے اللہ کو مخاطب کرسکتے ہیں؟ شاہ صاحب نے کہا: "اس میں کوئی نقصان نہیں ہے"۔ ۴؎

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اٹھارھویں اور انیسویں صدی کی مسلمانوں کی مصنفہ کتابوں میں ہندوؤں کے لیے لفظ "کافر" شاذونادر استعمال ہوا ہے۔ اس کے برخلاف ہندو مصنفوں نے ہندوؤں

۱؎ کلیات نظیر اکبر آبادی ص ۱۴۳، ۱۵۰، ۱۴۳۔ ۲؎ ملاحظہ ہو۔ بانگ درا۔ ص ۲۶۴۔ ۳؎ متوفی ۱۲۳۹ھ۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ مفتاح التوازیخ ص ۳۸۱، خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص ۳۸۸، ۳۸۹۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی، رودلوتر۔ ص ۵۶۴۔ ۵۷۵۔

۴؎ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۴۴

⁂ ⁂ ⁂

کے یے لفظ "کافر" استعمال کیا ہے۔[1]

یہی نہیں کہ صرف مسلمان ہی ہندو مذہب، ان کے دیوتاؤں اور ان کی مذہبی کتابوں کا احترام کرتے اور عزت کی نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کی طرف ہندوؤں کا بھی یہی طرزِ عمل تھا۔ بہت سے ہندو پوشیدہ اور ظاہری طور پر اسلام پر عقیدہ رکھتے تھے۔ پریم کشور فراقی کے والد کنور آنند رام[2] نے پوشیدہ طور پر قدرت اللہ قاسم[3] کو مطلع کیا تھا کہ وہ عقیدے میں ایک مسلمان ہے[4]۔ پریم کشور[5] نے اعلانیہ اس بات کو کہہ دیا تھا کہ وہ مذہب اسلام کا پیرو ہے۔ اپنے روزنامچہ میں وہ حضرت علی کے نام کے ساتھ "وصی" لفظ کا استعمال کرتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ عقائد کا پیرو تھا[6]۔ اس نے شیورام داس اور نرائن داس کو لفظ "کافر" سے مخاطب کیا ہے[7]۔

صوبہ دار بہار، راجہ شتاب رائے کا لڑکا، راجہ کلیان سنگھ، پنجوقتہ نمازیں ادا کرتا تھا، رمضان کے روزے رکھتا، اور مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا[8]

راجہ چھتر سال اسلام اور اس کے بانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔

[1] وقائع عالم شاہی۔ ص ۱۷ [2] کنور آنند کشور، راجہ جگل کشور کا بیٹا تھا۔ نواب مہابت جنگ، صوبہ دار بنگالہ، کے وکیل کی حیثیت سے کئی برس تک محمد شاہ کے دربار سے وابستہ رہا تھا۔ برائے تفصیل وقائع عالم شاہی ص ۱۲-۱۴ [3] قدرت اللہ قاسم، مصنف مجموعۂ نغز۔ [4] قاسم نے لکھا ہے کہ وہ باطن میں مومن اور ظاہر میں کافر تھا۔ اس راز کو اس نے صرف مجھ پر کھول دیا تھا۔ ویسے عام طور پر کسی کے سامنے اسلام کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ مجموعۂ نغز۔ جلد دوم۔ ص ۴۸ [5] پریم کشور، فراقی، راجہ جگل کشور کا پوتا اور کنور آنند رام کا بیٹا تھا تعلیم و تربیت اعلیٰ درجے کی ہوئی تھی۔ فارسی اور ریختہ دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا اور برکت اللہ خاں برکت دہلوی سے اصلاح لیتا تھا۔ وقائع عالم شاہی ص ۱۴-۱۷

۵ وقائع عالم شاہی ص ۱۔ [7] وقائع عالم شاہی ص ۱۵۔ [8] تذکرہ مسرت افزا (ابوالحسن امیر الدین احمد) ص ۱۴۲-۱۴۳۔

وہ کلام مجید کا اُتنا ہی احترام کرتا تھا جتنا وید اور پُران کا۔ اس کے دربار میں ایک طرف ایک اونچی چوکی پر پُران اور دوسری طرف قرآن مجید رکھا جاتا تھا۔ جس جانب قرآن رکھا ہوتا تھا اس طرف علماء اور دوسری طرف برہمن بیٹھتے تھے اور اس کی موجودگی میں مذہبی مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا اور اس طرح وہ دونوں مذہبوں کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ بالخصوص توحید کے عنوان پر بحث ہوا کرتی تھی۔ اپنے کلام میں چھتر سال نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف و توصیف کی ہے۔ اس کے مسلم درباری راجہ کی موجودگی میں "یا محمد یا رسول اللہ" کا ذکر جلی کرتے تھے اور کبھی کبھی راجہ بھی ان کے ساتھ ذکر میں مشغول ہو جایا کرتا تھا اور بآواز بلند ان الفاظ کو دہراتا تھا[1]

سیتلداس مختار[2] کو حضرت علی اور ان کی اولاد سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے شاہ نجف کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

یا شاہِ نجف بخاک پای حسنین | باشد دل و جان ما فدای حسنین
از جورِ فلک سخت بجاں آمدہ ایم | ما را بنواز از برای حسنین[3]

بھگوان داس ہندی[4] بھی آلِ رسول کا عقیدت مند تھا۔ اس نے سید خیرات علی کی فرمائش پر سوانح النبوۃ لکھی تھی جس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور بارہ اماموں کے

---

[1] حدیقۃ الاقالیم ص ۶۶۹۔ [2] قوم کا کایستھ اور دہلی کا باشندہ تھا۔ چونکہ اس کا چچا، نواب آصف الدولہ کی سرکار میں ملازم تھا اس وجہ سے اس کی پرورش و تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ ضروری علوم تحصیل کرنے کے بعد اس نے شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔ پہلے تابع تخلص اپنایا تھا مگر بعد میں مختار، اختیار کیا۔ سفینۂ ہندی ص ۱۹۳۔ [3] سفینۂ ہندی ص ۱۹۳-۱۹۴۔ راجہ رام نرائن کو شہدائے کربلا سے بڑی عقیدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب جلاد اس کے قتل کرنے کے لیے آمادہ ہوا تو اس نے راجہ سے دریافت کیا "آپ کی کوئی آخری خواہش تو نہیں ہے؟" راجہ نے پانی کی خواہش ظاہر کی۔ اُن کے سامنے پانی کا بھرا ہوا پیالہ لایا گیا۔ راجہ نے اس پیالہ کو زمین پر پھینک دیا اور یہ شعر پڑھا:

محروم رفتہ از تو لب تشنۂ حسین | ای آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

سفینۂ ہندی۔ ص ۸۵۔ حاشیہ [4] ص ۲۷ پر۔

حالات" قصیدۂ مشکل آسان" میں بھگوان داس ہندی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بارہ اماموں سے مشکل کشائی کی دعا کی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

گر عرضِ تو قبول نماید زہی شرف — ورنہ بسوی کعبہ برای دعا برو
از من سرِ نیاز بنہ بر درِ خدای — وانگہ بسوی شہرِ رسولِ خدا برو
آنجا طوافِ روضۂ پاکش بصدق کن — زانجا بدرگہ علی مرتضیٰ برو
آنجا نثار کن دل و جاں را بصد نیاز — زانجا بر آستانۂ خیر النساء برو
آنجا جبینِ عجز بخاکِ ادب بسای — زانجا بروضۂ حسنِ مجتبیٰ برو[1]

اس طرح اس نے بارہ اماموں سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔" قصیدۂ تیغ شعلہ بار در منقبتِ حیدر کرار صاحبِ ذوالفقار علیہ السلام" اس نے حضرت علی کی تیغ کی تعریف میں لکھا ہے۔[2]

بال مکند شہود[3]: فلسفۂ وحدت الوجود و شہود کا قائل تھا اور عملی زندگی میں بھی اس پر عمل کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس نے شہود تخلص اختیار کیا تھا۔ شاعری میں سراج الدین خان

حاشیہ[4] بقیہ ص ۲۶۔ [5] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ سفینۂ ہندی۔ ص ۲۴۱ ۔ ۲۴۳۔ حاشیہ صفحہ ہذا۔

[1] ملاحظہ ہو۔ سفینۂ ہندی ص ۲۴۴ - ۲۴۷۔ [2] سفینۂ ہندی ص ۲۴۷ - ۲۵۰۔ [3] قوم کا کایستھ، اصلاً بہار کا رہنے والا تھا۔ محمد شاہ کے عہد میں کسی سرکاری کام سے دہلی آیا تھا۔ اور مقصد پورا ہونے کے بعد واپس چلا گیا تھا: سفینۂ ہندی ص ۱۱۰۔ بندرابن داس خوشگو نے لکھا ہے کہ وہ قوم کا کایستھ اور رای رایان عالم چند کا بھتیجا تھا۔ رائے صاحب نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں دیوانِ کل کے عہدہ پر فائز تھا۔ اس کا اصلی وطن مانک پور تھا جو الٰہ آباد کے علاقے میں شامل تھا۔ اس کے جد امجد صغر سنی میں گردشِ روزگار کا مارے ہوئے دیارِ مشرق کی طرف چلے گئے تھے۔ کبھی وہ اڑیسہ اور کبھی بنگال میں رہتے تھے۔ بعد ازیں عالم چند نے اپنی ذاتی قابلیت سے ترقی حاصل کی اور خاندان کا نام روشن کیا۔ بال مکند نے اکثر علوم تحصیل کیے تھے۔ وہ انسان دوست اور آشنا پرست تھا۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ سفینۂ خوشگو۔ ص ۳۴۵ - ۳۴۸۔

آرزو سے اصلاح لیتا تھا۔[1]

مذہبی اختلافات کے بارے میں درگا داس کی یہ رائے قابلِ ذکر ہے۔ "تمام مذاہب و مشارب کا آفریدگار وہی ایک ذات ہے جو عالم کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس میں اس کی حکمتِ بالغہ اور مصلحتِ کاملہ ہے کہ اس نے ہر مذہب کے لیے اس کی حالت کی مناسبت سے جداگانہ طریقہ مقرر فرمایا ہے اور ہر ایک کے لیے خاص طور سے ہدایت کی ہے۔ جس طرح کہ دنیا کے باغوں میں طرح طرح کے پیڑوں اور رنگ برنگ کے پھولوں سے رونق ہے اسی طرح مختلف قسم کے مذاہب اور مشارب کے ذریعہ اس نے مختلف انداز میں دلوں میں اپنی شناسائی کا شور برپا کیا ہے۔ اگر مسجد ہے تو اس کی یاد میں اذان دی جاتی ہے اگر بت خانہ ہے تو اس کی یاد میں جرس بجایا جاتا ہے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کفر و دین کا جھگڑا کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک ہی چراغ سے کعبہ اور بت خانہ روشن ہیں۔ اس حالت میں انسان کو لازم ہے کہ اپنے دل کو کدورت کے رنگ سے صاف کر کے اور ہر مذہب اور ملت کے لوگوں کے ساتھ بھائیوں کا سا برتاؤ کر کے، مخالفت کے خارزار سے اپنے کو علیحدہ کر کے اتفاق کے بوستانِ جنت نشاں میں قیام کرے جیسا کہ کہا گیا ہے:

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

(دونوں جہان کی آسائش کا انحصار ان دونوں حرفوں پر ہے۔ دوستوں کے ساتھ تلطف، دشمنوں کے ساتھ مدارا۔)

"اور جب کسی مذہب کی عبادت گاہ میں پہونچے تو اس کی عزت و احترام کرے اور جب کسی کے بزرگوں کی خدمت میں جاوے تو ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے۔ دینی معاملات میں کسی سے مباحثہ نہ کرے اور ان بیکار جھگڑوں سے بیگانگی کے تعلقات میں

---

[1] سفینۂ ہندی ص ۱۱۷

بیگانگی نہ پیدا کرے[1]۔

اس زمانے کے ہندو شعراء کے کلام میں بھی وسیع المشربی، اور مذہبی اختلافات سے بے نیازی کے اکثر شواہد ملتے ہیں مثلاً

وہی اک ریسمان ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں　　کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنّار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر　　سلیمانی کے خط کو ں دیکھ زنّار کہتے ہیں[2]
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں ـــ ہمیں ایسا خرابانی کیا تجھکو مناجاتی[3]

صوفیائے کرام اور اہلِ ہنود | صوفیائے کرام بلا کسی مذہبی تعصب اور تفریق کے ہندوؤں کی روحانی اصلاح اور تربیت کرتے تھے اور انھیں مرید بھی کرتے تھے۔ اُن کے اوصاف حمیدہ، کریم النفسی اور خوش اخلاقی سے متاثر ہو کر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر ان میں سے کچھ ایسے بھی افراد تھے جو اپنے رشتہ داروں کے خوف سے اس بات کا اعلان نہ کرتے تھے بلکہ دل سے مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ پریم کشور فراقی کے والد کی نسبت لکھا جا چکا ہے۔ صوفیا کسی غیر مسلم کو اس بات کے لیے مجبور نہیں کرتے تھے کہ مرید ہونے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے۔

شاہ کلیم اللہ دہلوی[4] ایک مکتوب میں اپنے خلیفہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی[5] کو تحریر کرتے ہیں:

---

[1] مخزنِ اخلاق ص ۵۹-۶۰۔ مندرجہ بالا ترجمہ تاریخ مشائخ چشت سے ماخوذ ہے۔ اس زمانے میں بعض ہندوؤں کی وسیع المشربی کا تذکرہ ملتا ہے۔ آفتاب رائے رسوا کے بارے میں میر نے لکھا ہے "شخصے ہندو بود۔ حالا قید مذہب نداشت" نکات الشعراء ص ۱۲۱۔ نیز تذکرہ ہندی ص ۱۰۷، کشن چند اخلاص کے بارے میں لکھا ہے "بجہت اختلاط مسلمین در رسیدن در خدمت فقرائے دین، وسعت مذہب پیدا کردہ۔ تعصب مذہب نداشت" سفینۂ ہندی ص ۲۱۔ میدی لال بیمار، قلندری لباس میں برائے زیارت حرمین شریف گیا تھا۔ سفینۂ ہندی ص ۲۹-۳۰
[2] تذکرہ گلشنِ ہند، ص ۷۰، نکات الشعراء ص ۱۳۳ [3] نکات الشعراء ص ۱۳۴۔ [4] متوفی ۲۹-۱۱۴۲ھ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۳۶۶-۴۲۴۔ [5] متوفی ۱۱۴۲ھ برائے تفصیل۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۴۲۷-۴۵۹، احسن الشمائل، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء۔ خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول ص ۴۹۵-۴۹۶

"و دیگر موقوم بود بہیہ دیا رام و ہندو ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام در آمدہ اند۔ اما با مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند۔ برادر من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بظہور انجامد [1]۔

ایک دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دیا رام کا اسلامی نام فیض اللہ تھا۔ یہ نام شاہ کلیم اللہ دہلوی نے رکھا تھا۔ [2]

عام طور پر بہت سے ہندوؤں کو شاہ عبد الرزاق [3] سے عقیدت تھی مگر پسرام کے علاوہ ایک عورت نے باقاعدہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ شاہ صاحب نے بڑی خوش اسلوبی سے اس کی روحانی تربیت کی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ماہِ رمضان میں وہ عورت اپنے والدین کے گھر سے شاہ صاحب کی خانقاہ میں چلی آتی تھی اور پورا مہینہ روزہ داری اور عبادت گزاری میں کاٹتی تھی اور اعتکاف میں بھی بیٹھا کرتی تھی [4]

حضرت شاہ آل محمد بن شاہ برکت اللہ [5] کے کئی ہندو مرید تھے۔ اُن میں سے جیون بیراگی، [6]

---

[1] مکتوبات کلیمی ص ۲۵، مکتوب ۲۱۔ [2] ایضاً ص ۴۱، مکتوب ۵۴۔ [3] مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ مناقب رزاقیہ مع ملفوظات رزاقی (مطبوعہ، مجتبائی پریس لکھنؤ ۱۳۱۳ھ) ملفوظات (قلمی) حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی متوفی ۱۱۳۶ھ جمع کردہ حضرت شاہ غلام علی خلف شاہ دوست محمد قادری نبیرۂ حضرت موصوف، مملوکہ جناب نثار احمد فاروقی۔ [4] مناقب رزاقیہ ص ۱۰۸، ملفوظات (قلمی) ص ۳۵-۳۶۔ [5] بن سید برکت اللہ دیکھئے تفصیل ملاحظہ ہو۔ مآثر الکرام ص ۱۲۱-۱۲۳) ۱۹ رمضان المبارک بروز پنجشنبہ ۱۱۱۱ھ کو بلگرام میں پیدا ہوئے تھے۔ والد بزرگوار سے باطنی اور روحانی تربیت پائی۔ اور خلافت کا خرقۂ زیب تن کیا۔ اور چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ والد کے انتقال کے بعد آباؤ اجداد کے سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ اطراف و جوانب سے سیکڑوں لوگ ان کی خانقاہ میں جمع ہوتے اور روحانی تربیت حاصل کرتے تھے ۱۱۶۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آزاد بلگرامی۔ مآثر الکرام ص ۱۲۳-۱۲۴۔ [6] خاندانی پیشہ زرگری تھا جیون بیراگی صاحب دولت و ثروت تھا اور اپنے خاندانی

(باقی ص ۴۰۳ پر)

کشن داس[۱] اور شامی سامی[۲] کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شاہ صاحب کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو نہ صرف گرویدۂ اسلام ہوئے بلکہ ذکر و اشغال میں منہمک رہنے لگے۔ میر حمزہ کا ذیل کا بیان ملاحظہ ہو:

"در شہر در ہر خانہ و کوچہ از مرد و زن بجز نامِ خدا و تلاش اِب معاملہ دیگر نبود۔۔ ہندواں و ساہوکاراں بجانہا خود ہا جلسۂ عرس می کردند و شغل ترکیبی وغیرہ محظوظ شدند" [۳]

صوفیائے کرام سے ہندوؤں کی عقیدت صوفیا سے ہندو بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ جب شاہ فخر الدین[۴] دہلوی، اورنگ آباد سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور اجمیر پہنچے تو ایک ہندو عورت جس کی بینائی جاتی رہی تھی، ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے آنکھوں کو روشنی عطا کرنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے بار بار عذر پیش کیا لیکن اس عورت کا اصرار برابر جاری رہا۔ مجبوراً شاہ صاحب کو دعا کرنی پڑی۔ اُن کی دعا کی برکت اور اللہ کے فضل و کرم سے اُس عورت کو دوبارہ بینائی حاصل ہو گئی [۵]

بقیہ حاشیہ ص ۳۹۰: پیشے میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ حضرت شاہ آلِ محمد نے تھوڑے دنوں میں ہی اس کو پرایا نام کے دھیان کی تربیت دی۔ کاشف الاستار (قلمی) ص ۲۰۷-۲۰۸۔ حاشیہ صفحہ ہذا:

[۱] کشن داس بیراگی قوم کا لبغال تھا۔ گوکل کا باشندہ تھا۔ کامل بیراگی کی تلاش و جستجو میں شہر بشہر پھرنے لگا اور خوش قسمتی سے اس کا ورود مارہرہ میں ہوا؛ اور اتفاقاً شاہ آلِ محمد کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ سدہ آسن پر عمل کرتا تھا اور عبادت شاقہ کرتا تھا۔ پیر کی وفات کے بعد سوروں اور سکندرہ میں رہنے لگا۔ کاشف الاستار (قلمی) ص ۲۱۰ [۲] وہ راجپوت تھا۔ کچھ دنوں شاہ آلِ محمد کی خدمت میں رہنے کے بعد خوشی اسلام قبول کر لیا تھا۔ کاشف الاستار قلمی، ص ۲۱۰-۲۱۲

[۳] کاشف الاستار (قلمی) ص ۲۱۵ [۴] بلائے حالات ملاحظہ ہو۔ مناقب فخریہ، فخر الطالبین، تاریخ مشائخ چشت ص ۵۲۹-۶۲۰ [۵] مناقب فخریہ ص ۱۸-۱۹ -

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ کا نائب، حیدر بیگ ایک سخت عارضہ میں گرفتار ہوگیا تھا۔ اور لوگوں کو اس کی زندگی کے بارے میں مایوسی ہونے لگی تھی۔ ایسی نازک حالت میں راجہ ٹیک چند نے، جو حیدر بیگ سے دلی وابستگی اور انس رکھتا تھا اور اسے موت کے منہ سے بچانا چاہتا تھا، شاہ نور اللہ کی خدمت میں جھتا نامی ایک شخص کو بھیج کر اس کی زندگی کے لیے دعائے خیر کرنے کی درخواست کی۔ راجہ کو شاہ نور اللہ سے بڑی عقیدت تھی۔[1]
دیس ناتھ سنگھ، خواجہ میر درد[2] کے عقیدت مندوں میں سے تھا[3] میاں ہدایت اللہ، خواجہ میر درد کے شاگرد اور مرید تھے۔ استغنا اور توکل کی زندگی گزارتے تھے۔ کسی کا بھیجا ہوا تحفہ یا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے مگر لالہ سیدہ رائے، پیشکار خالصہ، جو کچھ بطور نذران کی خدمت میں بھیجتا تھا، میاں ہدایت اللہ ضرور قبول کر لیتے تھے[4] اسی طرح ایک ہندو شاہ عبد الرحیم کی علمی مجلسوں میں حاضر ہوا کرتا تھا[5]

---

[1] ملفوظ رزاقی۔ ص ۱۰۸ [2] خواجہ میر درد، اٹھارہویں صدی کے ایک عالی مرتبت صوفی اور شاعر تھے۔ تصوف پر آپ کی تصنیف "علم الکتاب" بہت اہم ہے۔ ولادت ۱۱۳۲ھ میں اور ۱۱۹۹ھ میں وصال ہوا۔ آزاد میڈیکل کالج کے قریب آپ کا مزار ہے اور اس کے قریب سے گزرنے والی سڑک کا نام میر درد روڈ ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مقالہ اسلاف درد (قاضی عبد الودود رسالہ ادیب علی گڑھ) خواجہ میر درد کا خاندان، ن۔ د۔ نسیم، (اورنٹیل کالج میگزین، خواجہ میر درد (امرناتھ جھا) میخانۂ درد ناصر نذیر فراق (طبع دہلی) [3] تذکرہ شعراء اردو (میر حسن دہلوی، مرتبہ حبیب الرحمن خیر دانی) علی گڑھ، ۱۹۲۲ء ص ۸۶ [4] برائے حالات ملاحظہ ہو۔ تذکرہ گلشن ہند۔ ص ۲۵۴، تذکرہ ہندی ص ۱۷۱، مخزن نکات ص ۴۵، تذکرہ میر حسن (مطبوعہ ۱۹۴۰ء) ص ۱۹۶، مجموعۂ نغز جلد دوم ص ۳۱۶-۳۱۸ [5] سیدہ رائے کا یکدل تخلص تھا اور فارسی میں شعر کہتا تھا، تذکرہ میر حسن (مطبوعہ ۱۹۴۰ء) ص ۱۹۶ [6] مخزن نکات (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) ص ۴۵-۴۶۔ [7] انفاس العارفین۔ ص ۵۹

صوفیا کے مزاروں پر بھی ہندو بڑی عقیدت کے ساتھ حاضری دیتے تھے، اور رسومات طواف ادا کرنے میں مسلمانوں سے بھی سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ درگاہ علی خاں کا بیان ہے :-

"مسلمین و ہنود در تقدیم شرائط یکسانند"[۱]

اُن کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ صوفیائے کرام کے مزاروں پر مجاوری کی خدمات انجام دینا وہ اپنے لئے باعث نجات سمجھتے تھے۔ شاہ شمس الدین دبالپوری[۲] کے مزار پر ایک ہندو خاندان برسوں سے مجاوری کرتا چلا آرہا تھا[۳]

آنند رام مخلص کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف وہ عرسوں میں شرکت کرتا تھا بلکہ جب کبھی وہ کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوجاتا تھا تو استمداد کے لئے وہ شیخ نظام الدین اولیاء اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزاروں پر جاتا تھا اور اس کی دلی مراد بار آور ہوتی تھی۔[۴] خان آرزو اور محمد قلی خاں کے ساتھ وہ شاہ مدار کے عرس میں شریک ہوتا تھا[۵] بندرا بن کالیستھ اپنی عقیدت کی وجہ سے اکثر و بیشتر شاہ مدار کے مزار پر جاتا تھا[۶] خیرپور، صوبۂ سندھ کے ہندوؤں کی مزارات سے عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے ایک مصنف نے لکھا ہے کہ "وہ لوگ

---

[۱] مرقع دہلی ص ۷

[۲] برائے حالات ملاحظہ ہو۔ خلاصۃ التواریخ۔ ص ۶۸

[۳] برخلاف مزارات اولیائے دیگر خدمہ و مجاوران مزار جماعۃ ہنود از اولاد دیپالی ہستند۔ وہرچہ اہل اسلام بدافع جماعۃ ہنود سعی کردومیکنند چوں نظر خاص آنحضرت بر دیپالی بود پیش نمی رود و تا حال ایں جماعۃ بمجاورت قیام دارند۔ خلاصۃ التواریخ ص ۶۸

[۴] ہنگامۂ عشق۔ ص ۷ ب، انشائے مخلص۔ ص ۲۳ الف

[۵] ہنگامۂ عشق وقائع بدائع (اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۴۸ء) ص ۲۳۶ ب

[۶] انشائے خرد افروز ص ۷۷ الف، ۱۰۲ الف

مسلمان صوفیائے کرام کے مزارات پر جاتے ہیں اور نذر و نیاز چڑھاتے ہیں[1] خیسہ پور میں لال شاہ باز کا مزار تھا' وہاں ہندو اور مسلمان دونوں حاضر ہو کر نذر چڑھاتے اور منتیں مانتے تھے۔[2]

(باقی)

---

[1] Journal of Asiatic Society of Bengal (1840) L-1029

[2] ایضاً

احادیثِ نبوی کا شاندار ذخیرہ۔ اُردو زبان میں۔

ترجمان السنّہ

"ترجمان السنہ" حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعہ سے فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ ہماری زبان میں منتقل ہو رہا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمے کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث و مسائل کی دلپذیر تشریح و تفسیر بھی کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں اور دماغوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے" ترجمان السنّہ" کی تالیف سے موجودہ زمانہ کی ضرورتوں اور ذہنوں کے مطابق اسلامی لٹریچر میں ایک عظیم الشان اور زبردست اضافہ ہوا ہے اس مجموعہ کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے

(۱) متن مع اعراب (۲) شستہ اور عام فہم ترجمہ (۳) ہر حدیث پر مختصر تشریحی نوٹ (۴) باب کے خاتمے پر مندرجہ حدیثوں کے متعلق ایک عام اور سیر حاصل بحث جس کا انداز روحانیت اور اثر انگیزی میں ڈوبا ہوا ہے۔

جلد اول کے شروع میں ایک مبسوط اور محققانہ مقدمہ بھی ہے۔ اس میں ارشادات نبوی کی اہمیت' احادیث کے درجہ استناد اور اعتبار' تدوین حدیث کی تاریخ' حجیت حدیث اور دیگر اہم عنوانات پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے اور بہت سے ائمہ حدیث اور فقہاء اُمّت کے ضروری حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب التوحید سے اصل کتاب شروع کی گئی ہے۔

بڑی تقطیع ۲۲×۱۹ قیمت جلد اول بارہ روپے۔ قیمت جلد دوم دس روپے قیمت جلد سوم بارہ روپے قیمت جلد چہارم چودہ روپے۔ اُجرت فی جلد چرمی دو روپے۔

مکتبۂ برہان۔ اُردو بازار۔ جامع مسجد۔ دہلی - ۶